رحمتِ رحیمیہ

ارشادِ رحیمیہ
کا اُردو ترجمہ

در سلوکِ نقشبندیہ

از حضرت قدوۃ العارفین شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ
(پدرِ بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں
سابق صدر شعبۂ اردو۔ سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

پیش لفظ
پروفیسر علی نواز جتوئی

منجانب: از اخوانِ مصطفائیؒ، مریدانِ آقائے پیر ایرانیؒ

رحمتِ رحیمیہ

ارشادِ رحیمیہ

کا اُردو ترجمہ

در سلوکِ نقشبندیہ

از حضرت قدوۃ العارفین شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ

(پدرِ بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں

سابق صدر شعبۂ اردو ۔ سندھ یونیورسٹی ۔ حیدرآباد

پیش لفظ:

پروفیسر علی نواز جتوئی

منجانب: (اخوانِ مصطفائی، مریدانِ آقائے پیر ایرانیؒ)

بہ یادگارِ شفقت شعار

امام ربّانی مجدد الفِ ثانی امام الشریعت والطریقت حضرت
شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ سرہٗ

ہر لحظہ جمالِ خود نوعِ دگر آرائی
شورِ دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی
(جامیؒ)

آلودۂ اثم وعدوان ــــــ غلام مصطفےٰ خاں جمعہ ۲۹ صفر ۱۳۷۹ھ

مطابق ۴ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ رحیمیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ چار سال کی عمر میں قرآنِ پاک پڑھا اور دس سال کے تھے کہ اپنے بڑے بھائی ابوالرضا محمد علیہ الرحمۃ (م ۱۱۰۱ھ) سے صرف نحو، ادب، کلام، اصول، معقول وغیرہ علوم کی تکمیل کر چکے تھے۔ پھر بارہ[۱۲] سال کی عمر میں مرزا محمد زاہد ہروی (م ۱۱۱۱ھ) سے حدیث و فقہ وغیرہ کی تکمیل آگرہ میں کی۔ مرزا صاحب کا سلسلۂ تلمذ صاحبِ اخلاقِ جلالی (م ۹۲۸ھ) تک پہنچتا ہے۔ اس لیے شاہ عبدالرحیم بھی اخلاقیات سے شغف رکھتے تھے اور ارسطو کی حکمتِ نظری کے برعکس وہ حکمتِ عملی پر زور دیتے تھے۔ چناں چہ عقلِ معاد کی طرح عقلِ معاش اور آدابِ معاملہ پر خاص نظر تھی۔ قرآنِ پاک کا متن بھی تحقیق و تفہیم سے پڑھتے پڑھاتے۔ اسی لیے علماء آپ کے خلاف تھے۔ کیوں کہ وہ لوگ اپنے ذوق کے کسی فن کی تطبیق قرآنی آیات سے کرنے کے عادی تھے۔

شاہ عبدالرحیم جب دس[۱۰] سال کے تھے تو حضرت خواجہ ہاشم نقشبندی بخاری علیہ الرحمۃ نے دہلی میں آپ کو اسمِ ذات کے مراقبے کی تلقین فرمائی تھی (صفحہ ۷) اور بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] سال کے تھے جب حضرت زکریا علیہ السلام نے خواب میں یہی تلقین فرمائی تھی[۱] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت خواجہ عبداللہ و خواجہ خورد، رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۵ھ) سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ لیکن انھی کے فرمانے پر آپ نے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ امامِ ربانی قدس سرہٗ) کے خلیفہ حافظ قاری سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے (صفحہ ۸) بیعت کی۔ لیکن "دوران ایام کہ اورنگ در اکبرآباد بود، پیشِ میرزا زاہد ہروی محتسب لشکر، تحصیل می کردم بہ این تقریب ہمراہ والد خود بہ اکبرآباد رفتم و سید عبداللہؒ بہ سبب مرافقتِ (عم خود) سید عبدالرحمن ہماں جا بودند۔ دراں محل ایشاں را عارضۂ مرض پیش آمد و برحمت حق پیوستند" [1] گویا بالکل ابتدائی ایام میں (غالباً ۱۰۶۸ھ) میں سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اس لیے شاہ صاحبؒ سلسلۂ قادریہ میں حضرت خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے [2] وہ توکل میں شدت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے ہم سبق شیخ حامد نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں کسی تنخواہ پر شریک کرنا چاہا تو خلیفہ صاحب نے سخت مخالفت کی۔ حالانکہ والدہ ماجدہ حمایت فرما رہی تھیں۔ خلیفہ صاحب نے البتہ اکبرآباد میں سید عظمت چشتی [3] (م ۱۰۸۲ھ) سے ملنے کے لیے فرمایا تھا جن سے انھیں کچھ تبرکات حاصل ہوئے۔

حاشیہ گذشتہ [1]۔ انفاس العارفین از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحہ ۵ (دہلی ۱۳۳۵ھ)

[2]۔ ایضاً صفحہ ۱۴ — [3]۔ ایضاً صفحہ ۲۰

[4]۔ ایضاً صفحہ ۲۸۔ الفرقان (بریلی) کے شاہ ولی اللہ نمبر سے بھی حالات میں مدد لی ہے۔

نقشبندیہ سلوک، اُس کے اذکار، مصطلحات اور توجہ وغیرہ کے متعلق یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود بہت نافع اور جامع ہے۔ اسباق کی تفصیل نہیں ہے۔ اور اکثر بزرگوں نے اپنی تصانیف میں ایسا ہی کیا ہے۔ کیوں کہ یہ چیز سفینے سے زیادہ شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتی ہے۔ رسالے کے صفحہ ۵۰ پر صوفیہ کے ایک قول کو حدیث کہا ہے۔ اُسے حدیثِ اولیاء ہی سمجھنا چاہیے۔

یہ رسالہ مع ترجمہ بہت مدت ہوئی حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے نواسے سید ظہیر الدین (عرف سید احمد) نے دہلی سے شائع کیا تھا۔ ہم نے ترجمے میں ایک آدھ لفظ تبدیل کیا ہے، تاکہ یہ یادگار بھی باقی رہے۔ البتہ اشعار کا منظوم ترجمہ اب کیا گیا ہے اور اس میں ہمارے کاتب ذوقی صاحب نے بھی کوشش کی ہے جو اہلِ شوق بھی ہیں۔ ترجمے کا پروف عزیزگرامی پروفیسر سخی احمد ہاشمی صاحب اور عزیزم انیس الدین انصاری صاحب نے دیکھا ہے۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر دے۔

احقر غلام مصطفیٰ خان۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی رحمت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک رحمتِ عامہ، اور دوسری رحمتِ خاصہ۔ رحمتِ عامہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر ہے مگر رحمتِ خاصہ انسانوں میں سے نبیوں، ولیوں اور صالح بندوں پر ہوتی ہے۔ یہ صالح بندے جب جد و جہد سے سلوک کا سارا سفر طے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو جذب سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور واصل کرتا ہے۔ اس وقت سالک کی کوشش ختم ہو جاتی ہے۔ جب سالک اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق ذکر کاملہ حاصل کر لیتا ہے تو خود اس کو یاد داشت کی نسبت حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا تصور بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس کا دل ایک لحظہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی نہیں رہتا۔ اور اگر غافل ہو جاتا ہے تو پھر بازگشت کرتا ہے۔ یعنی پھر ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور درمیان میں کہتا ہے: یا الٰہی تو ہی میرا مقصود ہے اور تو ہی میرا مطلوب ہے۔

سالک کو چاہیے کہ دل کی حالت سے بے خبر نہ رہے اور مسلسل دیکھتا رہے کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل تو نہیں اور اسے اللہ کا حضور حاصل ہو۔ یہ حالت آہستہ آہستہ اور دیر سے حاصل ہوتی ہے۔ سالک کو

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے بیحد بے قرار ہوتا ہے کہ وہ میرا قرب حاصل کرے اور مجھ میں فنا ہو جائے تاکہ دوئی مٹ جائے یہی انسان کی معراج ہے۔

سالک دنیا کو ترک نہ کرے بلکہ دنیا میں رہ کر اس کو دل سے ترک کرے۔ یہی جہادِ اکبر ہے۔ سالک اپنے ارادے کو اللہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ظاہر کیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کے کاروبار میں رہ کر اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرے۔ یہاں تک کہ شعوراً اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جائے۔

یہ مرتبہ کامل ولی اللہ میں فنا ہونے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ جو خود فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ وہ ظاہر میں تو بشر ہوتا ہے مگر باطن میں اللہ تعالیٰ میں گم ہوتا ہے۔

ہر سالک کے لیے اس کتاب رحمت رحیم الارشادِ رحیمیہ" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی رحمت رحیمیہ میں داخل کرے۔

(آمین۔ خاکسار

علی نواز جتوئی مصطفائی مجاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریف و ثناء اللہ جلّ شانہٗ کے ہی واسطے ہے، جیسی چاہیے۔ اور صلوٰۃ و سلام اُس کے رسول حضرت محمد رسول اللہ پر جیساکہ اُن کے لائق ہے صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین اور اُن کے آل و اصحاب پر جنھوں نے دریائے توحید میں غوطے لگائے اور اچھے گوہر بے بہا تہ سے نکالے۔ اس کے بعد کہتا ہے کم ہنر و کم سرمایہ امیدوار خدائے کریم محمد عبد الرحیم بن وجیہ الدین اویسی نقشبندی اللہ مغفرت کرے اُس کی اور اس کے والدین اور استادوں اور مرشدوں کی، کہ ان اوراق میں ایسے چند کلمے کہ جن سے واقف ہونا اس عالی طریقہ شریفہ کے سالک کو لازم ہے بیان کرتا ہوں شاید کسی خوش نصیب کو ان سے فائدہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نیک راستہ بتانے والا ایسا ہے جیسا وہ نیکی کرنے والا (یعنی دونوں کو ثواب برابر ہے) اس فقیر کو یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل ہو

رباعی

(ترجمہ)

بے حاصلی بیچارگی حاصل ہے مجھے — مجبور ہوں بے شک ہوں میں دُنیا سے
دیتا ہوں میں سراغِ گنجِ مقصود — گو میں نہیں پہنچا ہوں تو شاید پہنچے

فصل ۱

مُدان اَفْنَاكَ اللّٰہُ عَنْکَ وَ اَبْقَاکَ۔ رجان اللہ تیری خودی کو فنا کرے اور بقا باللہ کا درجہ) کہ حضرت قطب الاقطاب خواجہ بہاء الحق و الشرع و الدین نقشبند اور اُن کے خلفا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو اہلِ سنّت و جماعت کا عقیدہ درست کرے اور نیک عمل کرے اور اتباعِ سنت اور سلفِ صالح رضوان اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کی پیروی کرے اور اعمال میں عزیمت اختیار کرے اور جو باتیں منع اور مکروہ ہیں اُن سے بچے۔ ان سب باتوں کے بعد دوامِ عبودیت ہے، یعنی دوام حضور حق سبحانہ سے ایسی طرح کہ شعورِ غیر اس میں مزاحمت نہ کرے بلکہ شعور کا شعور بھی مزاحمت نہ کرے۔ ہر وقت بے پریشانی اور بے پراگندگی کے حق سبحانہٗ کے ساتھ دوام حضور رہے اور یہ سعادت عظمیٰ اور یہ نعمتِ البقیٰ بے جذبۂ الہٰی کے میسّر نہیں وہ جو کہا ہے (اللہ کے جذبوں میں سے ایک جذبہ دونوں جہاں کی عبادت سے بہتر ہے) وہ یہی جذبہ ہے اور اس جذبہ کے حصول کو سب سے مؤثر ایسے بزرگ کی صحبت ہے جس کا سلوک بطریق جذبہ کے ہو اور تجلیّ ذاتی سے مشرف ہوا ہو۔ اور آداب کے ساتھ ہو اور نہیں تو بہتیرے لوگ اولیاء کی صحبت میں عقیدہ کے ساتھ برسوں رہے اور کچھ کمال کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اور نیک ادب کے ترک سے اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین میں

جا گرے ہیں۔ جیسے سُنّتِ الٰہی یوں ہے کہ فرزندِ ظاہری بے ماں اور باپ کے پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اولادِ معنوی بے مرشد کے دشوار ہے۔ قال الشیخ ابو علی الدقاق قدس سرہٗ اَلشَّجَرَۃُ الَّتِیْ تُنْبِتُ بِنَفْسِہَا لَا ثَمَرَ لَہَا وَاِنْ کَانَ لَہَا ثَمَرٌ ثُمَّ یَکُوْنُ بِغَیْرِ لَذَّۃٍ (حضرت ابو علی دقاق قدس سرہٗ فرماتے ہیں یعنی جو درخت خودبخود اُگے اُس میں میوہ نہیں ہوتا۔ اور جو ہوتا ہے تو اُس میں لذّت نہیں ہوتی) اور اس فقیر کو ظاہر میں وصل تلقین و اجازت کا اُن سے ہے جو محقّقِ شیخ ہیں، اور اقتدار کے لائق ہیں جامع ہیں مظہراتِ سبحان کے اور حافظ کلامِ رحمٰن کے وہ حضرت سیّد عبداللہ قدس سرّہٗ ہیں۔ اور اُن کو شیخ المشائخ حضرت شیخ آدم بنوریؒ سے ہے۔ اور اُن کو مرشدِ زمانہ اور شیخ یگانہ مجدّد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کابلیؒ سے ہے۔ اور اُن کو، جو ہند میں اس طریقۂ علیّہ کو پھیلانے والے، یعنی حضرت خواجہ باقی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اور اُن کو حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو مولانا درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو مولانا محمد زاہدؒ سے اور اُن کو قدوۃ الابرار عارفِ معارف باللہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ سے ہے۔ اور اُن کو قطب الاقطاب سلطان العارفین صاحب الطریقہ خواجہ بہاء الحق والدین المعروف نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو نظرِ قبول بہ فرزندی شیخ الطریقت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ مگر تربیت کی نسبت حقیقۃً میں روحانیت سے حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ اور نسبت ارادت اور

صحبت اور سلوک اور تلقینِ ذکر کی حضرت امیر سید کلال سے ہے اور اُن کو خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو خواجہ علی رامیتنیؒ سے اور اُن کو خواجہ محمود الخیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اور اُن کو خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اور اُن کو خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے، جو سر حلقۂ خواجگان ہیں۔ اور اُن کو خواجہ امامِ ربانی ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی رحمۃ اللہ علیہم سے اور اُن کو خواجہ علی فارمدی طوسی رحمۃ اللہ علیہ سے جو خراسان کے بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کو تربیتِ علمِ باطن میں انھیں سے ہے۔ اور اُن کو شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور شیخ ابو القاسمؒ کو علمِ باطن میں نسبت دو جانب سے ہے۔ ایک تو شیخ ابو الحسنؒ سے اور شیخ ابو الحسن خرقانی کو ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے اور شیخ ابو الحسنؒ کی ولادت شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے مدت کے بعد ہے۔ اور تربیت شیخ ابو یزیدؒ کی اُن کو کسب باطن و روحانیت ہے۔ ظاہر میں نہیں ہے۔ اور نسبتِ ارادتِ شیخ ابو یزیدؒ کی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، اور صحیح نقل سے ثابت ہوا ہے کہ ولادت شیخ ابو یزیدؒ کی بھی بعد وفات حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ہے۔ اور تربیت حضرت امامؒ کی شیخ ابو یزیدؒ کو بحسبِ معنی و روحانیت ہے، بحسبِ ظاہر نہیں ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بموجب لکھنے شیخ ابو طالب مکی قدس سرہٗ کے جو قوت القلوب میں لکھا ہے دو نسبت ثابت ہیں۔ ایک تو اپنے والدِ بزرگوار امام محمد باقر سے اور اُن کو اپنے والدِ بزرگوار امام محمد

زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہم سے ، اُن کو اپنے والد بزرگوار
امیر المومنین علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ۔ اور اُن کو حضرت
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ اور مشائخ طریقت قدس سرہٗ
نسبتِ اہلِ بیت رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بہ سبب نفاست اور عزتِ
شرف کے جو اُن کو حاصل ہے سلسلۃ الذہب کہتے ہیں ۔ اور دوسری
نسبت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا سے ہے ۔ جو
جو ساتویں فقہائیں سے ہیں اور زمانہ کے بے نظیر ہیں علم ظاہر و باطن
میں ۔ اور اُن کو نسبتِ باطن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے ۔ اور
اُن کو باوجود شرفِ صحبت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے '
باطن کی نسبت خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ہے ۔
بعد نسبت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔ حضرت امام
مقتدا خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے قدسیہ میں لکھا ہے ، کہ اہلِ تحقیق
کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ کو آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن خلفاء سے جو آپ سے پہلے خلیفہ ہوئے ہیں
نسبتِ باطن کی تربیت ہے ۔ اور شیخ ابو طالب مکی قدس سرہٗ نے قوت
القلوب میں فرمایا ہے کہ قطبِ زمان ہر زمانہ میں قیامت تک مرتبہ و
مقام میں نائب مناب امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہے ۔ اور وہ
تین اوتاد جو اس قطبِ زمان سے نیچے ہیں وہ نائب مناب اُن تین ۳
خلیفوں کے ہیں ۔ یعنی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
رضی اللہ عنہ کی ۔ اور باقی چھے صدیق اور نائب مناب ان باقی چھے

عشرۂ مبشرہ سے ہیں۔ رضوان اللہ عنہم اجمعین۔ اور دوسری نسبت ارادتِ باطنی شیخ ابو القاسم گرگانیؒ کی شیخ ابو عثمان مغربی سے اور اُن کو ابو علی کاتب سے اور اُن کو ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے اور شیخ معروف کرخی کو دو طرف سے ہے۔ ایک تو داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اُن کو حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اُن کو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے، اور ان کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ان کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری نسبت شیخ معروف کرخی کو رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور اُن کو اپنے والدِ بزرگوار امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے اور اُن کو اپنے والدِ بزرگوار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے آخر نسبت تک جیسے اوپر بیان کیا گیا۔ ان مشائخ رحمہم اللہ سلسلے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقے کے اکثر مشائخ اویسی ہوئے ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اور اویسی کے یہ معنی ہیں کہ حضرت شیخ طریقت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ میں کچھ ایسے اولیاء ہیں کہ اُن کو مشائخ طریقت اور کبرائے حقیقت اویسی کہتے ہیں۔ ان کو ظاہر میں پیر کی حاجت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اُن کو حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولیاء اللہ میں سے کسی اور ولی کی روح اُن کو اپنی آغوشِ عنایت میں پرورش کرتی ہے کسی دوسرے کے وسیلہ اور واسطے کے بغیر۔ جیسے اویس قرنیؓ کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کی اور یہ بلند مرتبہ جس کو خدا دیدے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے) اور اکثر مشائخ طریقت کو زمانۂ سلوک میں اس مقام کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ جیسے شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ سلسلۂ شیخ ابوالجناب نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا اُن سے جا ملتا ہے۔ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی اور اُن کے سوا اور بھی اویسی کو سلوک میں وصول فیض ربانی اور تجلیات رحمانی کا جو ہوتا ہے اس میں ارواح مقدسہ واسطہ ہوتی ہیں لیکن جذبہ کے طریق میں کہ وہ ایک طریق وجہ خاص ہے کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔

فصل ۲

بدان اَعْطَاكَ اللّٰهُ وَاِيَّانَا معارج نهايات الكمالات۔
جان، اے سالک! اللہ تعالیٰ تجھے اور ہمیں نہایاتِ کمال کی معراج عطا کرے کہ سلوک اور وصول کا طریقہ ان بزرگوں کا تین طرح پر ہے۔
اول ذکر کا طریقہ ہے۔ اور چوں کہ ذکر از روے لفظ و نطق کے کونی ہے۔ (اس موجودات میں سے ہے) اور از روے معنی کے ربانی ہے اس لیے یہ برزخ ہے یعنی بیچ میں ہے خلقت اور اللہ تعالیٰ کے۔ اور ذکر کے سبب ایک ایسا ارتباط حاصل ہوگا کہ وہ علم لدنی جو سیکھے اور سکھانے سے نہیں آتا اور ذکر اسم ذات کا اور ذکر نفی و اثبات کا بمنزلۂ ہجوں کے ہے۔ جیسے پہلے بچے جب تک ہجے نہ کریں پڑھنا نہیں آتا۔ اور مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحہم نے سب ذکروں میں

ذکر لا الٰہ الا اللہ کا اختیار کیا ہے ۔ اور حدیث شریف میں یوں آیا ہے
کہ افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور سالکوں کا حجاب نسیان کا نتیجہ
ہے ۔ اور حجاب کے یہ معنی ہیں کہ موجودات کی صورتیں دل پر نقش ہوں ۔
اور جب دل میں موجودات کی صورتیں نقش ہوں تو حق کی نفی اور غیر کا
اثبات ہوا ۔ تو شرکِ خفی سے خلاص جبھی ہوتا ہے جب اس کلمہ کے
معنی پر ہمیشہ رہے اور لازم کرے کہ اس کلمہ میں حق کا اثبات اور غیر
کی نفی ہے ۔ ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ لب کو لب پر اور زبان کو تالو سے
لگائے اور سانس کو روکے ۔ مگر اس قدر کہ بہت تنگ نہ ہو جائے ۔ اور
دل کی حقیقت کو کہ ایک لطیفہ دراکہ ہے ایسا کہ پلک مارتے میں آسمان
پر پہنچ جائے اور تمام عالم میں پھر آئے ۔ سب اندیشوں سے خالی کرے
اور اس کو دلِ مجازی کی طرف کہ وہ ایک گوشت کا ٹکڑا صنوبری شکل
ہے بائیں طرف کو متوجہ کرے اور ذکر کرنے میں مشغول کرے ۔ اس طرح کلمہ
لا الٰہ کو ناف کے متصل داہنی طرف سے کھینچے پھر داہنے مونڈھے کو
حرکت دے کر بائیں مونڈھے پر پہنچائے اور کلمۂ الا اللہ کو زور سے
دلِ صنوبری شکل پر ایسی ضرب دے کہ اس کی حرارت تمام اعضا میں
پہنچے اور محمد رسول اللہ کو بائیں طرف سے داہنی طرف لے جائے ۔
اور طرف نفی میں تمام موجودات کو فنا کی نظر سے دیکھے ۔ یعنی جب دل
میں لا الٰہ کہے تو اس کے برابر ہی خیال یہ کرے کہ لا موجود
یعنی کوئی موجود نہیں ۔ تمام اشیاء کو اور اپنے تیئں مٹا دے ۔ اور
اثبات کی طرف حق سبحانہٗ تعالیٰ کو بقا کی نظر سے ملاحظہ کرے ۔
یعنی جب الا اللہ کہے تو یقین کرے کہ جو کچھ موجود ہے حق ہے اور

اسمِ ذات کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کے اسمِ مقدس کو خوب مد و شد کے ساتھ زیرِ ناف سے کھینچتے ہوئے دل کی زبان سے ذکر کرتے ہیں اور بے چون کے معنی خیال میں رکھتے ہیں اور بعضے اس طریقے کے بڑے بزرگ اس ذکر کے پیچھے یہ لحاظ میں رکھتے ہیں کہ تو ہی مقصود ہے اور تو ہی موجود ہے اور بعضے اپنے پیر کو تصوّر میں رکھتے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ ذکر کے وقت سانس کو روکنا سبب ہے آثارِ لطف کا۔ اور شرحِ صدر کے لیے مفید ہے۔ اور دل کو اطمینان ہوتا ہے۔ اور دل میں خطرات نہ آئیں تو بہت اچھا ہے اور سانس روکنے کی عادت کرلے تو ایک حلاوتِ عظیم ہوتی ہے بسبب مطالعہ کرنے تمام ممکنات و موجودات کے فنا کی نظر سے اور حق سبحانہٗ کے وجودِ قدیم کے مشاہدہ کرنے کے بقا کی نظر سے اور اس ذکر پر مداومت کرنے سے توحید کی حقیقت ذاکر کے دل میں قرار پکڑتی ہے اور اس کی بصیرت کی آنکھ کھل جاتی ہے کہ اس کو شریعت، عقل اور توحید میں کچھ تناقض نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اور اس مقام میں ذکر، دل کی صفت لازم ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد ایسے مقام میں پہنچتا ہے کہ ذکر کی حقیقت اور جوہرِ دل ایک ہوجاتے ہیں اور غیر کا کچھ اندیشہ نہیں ہوتا اور ذکر مذکور میں فانی ہوجاتا ہے۔ جب دل کی بارگاہ اغیار سے خالی ہوتی ہے تو اس حدیثِ قدسی کے بموجب لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ۔ (میری زمین اور میرا آسمان وسعت نہیں رکھتی لیکن بندۂ مومن کے دل میں میری وسعت ہے)

سلطانُ الااللہؔ کا جمال تجلّی کرتا ہے اور اَذْکُرْکُمْ (میں تمہارا ذکر کروں) کے وعدہ کا حکم حرف و آواز کے لباس سے مجرّد آشکار ہوتا ہے۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر شے ہلاک ہونے والی ہے مگر اللہ کا وجہ) کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے جب تک روحانیت کا وجود باقی ہے اور فنا کے مرتبے کو نہیں پہنچا ہے۔ حقیقت میں وہ ذکر خفیہ نہیں ہے اور فنا کی حقیقت کو پہنچے تو وہاں اس کا باطن نفی سے ٹھہر جاتا ہے اور سوائے اثبات کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا ذکر اللہ اللہ ہوتا ہے اور جو کلمہ کی حقیقت اور سر ہے اُسے پہنچا ہے۔ اور اس کلام کی حقیقت کو سمجھتا ہے کہ (حَقِیْقَةُ الذِّکْرِ عِبَارَةٌ عَنْ تَجَلِّیَةِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ لِذَاتِهٖ بِذَاتِهٖ مِنْ حَیْثُ الْاِسْمِ الْمُتَکَلِّمِ اِظْهَارًا لِلصِّفَاتِ الْکَمَالِیَةِ وَوَصْفًا بِالنُّعُوْتِ الْجَمَالِیَةِ وَالْجَلَالِیَةِ (ذکر عبارت ہے اللہ کی تجلی لذاتہٖ بذاتہٖ سے اسم متکلم کی حیثیت سے واسطے ظاہر کرنے صفات کمالیہ کے اور وصف کرنے ساتھ صفاتِ جمالیہ اور جلالیہ کے)

مقاماتِ سلوک میں پہلی تجلی جو سالک پر آتی ہے وہ تجلّیِ افعال ہوتی ہے۔ اس کو محاضرہ کہتے ہیں۔ پھر تجلّیِ صفات ہوتی ہے جسے مکاشفہ کہتے ہیں اور پھر تجلّیِ ذات ہوتی ہے اُس کا نام مُشاہدہ ہے۔ اور حضرت خواجہ امامِ ربّانی خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ جن کو ہمارے مشائخ قدس اللہ ارواحہم کا سلسلہ جاملتا ہے ــــ یوں فرماتے ہیں کہ ــــ طالب کو چاہیے کہ رات دن لاالٰہ الااللہ میں مستغرق رہے۔ اپنا سونا اور جاگنا سب اس پر صرف کرے۔ اور نفل نمازوں اور

اور تسبیحوں سے باز رہے۔ فقط لا الٰہ الّا اللہ میں سب صرف کرے۔ جو جگہ علم لدنی اور حکمت الٰہی کی ہو، وہاں نفلوں سے خدمت کرنی زحمت ہے۔ اور مخلوقات سے قطع کرنے میں کوئی آلہ ظاہری و باطنی افعال و اذکار میں کامل و شافی تر " لا الٰہ الّا اللہ " سے نہیں ہے۔ اور یہ بھی مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ دل سے ذکر جاری ہو جائے تو بھی ذکر کرنے کی کوشش سے باز نہ رہے۔ علی الخصوص صبح سے پہلے اور عصر اور شام کے بعد۔ اور حضرت خواجہ امام علی حکیم ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے ایمان کی دولت ہمیشہ چاہے وہ اپنے ہر کام میں اور ہر جگہ لا الٰہ الّا اللہ کہنے کی عادت کر لے۔ ہمیشہ شرکِ خفی کی ظلمت اس کلمہ سے دور کرتا ہے۔ اور یہ بھی انھوں نے فرمایا کہ بیداریِ دل کے بہت سے درجے ہیں اور دل کی بیداری میسر نہیں ہوتی مگر اقتصاد سے اور اقتصاد کیا ہے؟ دوامِ ذکر ہے سوتے جاگتے اور بعضے مشائخ نے ذکر لا الٰہ الّا اللہ اختیار کیا ہے اور محمد رسول اللہ کو اُس میں مضمر رکھتے ہیں اور ہمارے مشائخ قدس اللہ ارواحہم پورا کلمہ کہتے ہیں۔ اور حجۃ الاسلام نے فرمایا ہے کہ گمان نہ کر کہ دل کا دریچہ ملکوت کی طرف بغیر سونے اور بغیر مرنے کے نہیں کھلتا۔ کیوں کہ یہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی بیداری میں ریاضت کرے اور دل کو غضب اور شہوت اور اخلاق بد سے اور جہاں کے بڑے کاموں سے بچائے اور ایک خالی جگہ پر بیٹھے اور آنکھیں بند کرے اور حواس معطل کرے اور دل کو ملکوت سے مناسبت دے اور اللہ اللہ اللہ ہمیشہ دل سے کہے زبان سے نہیں۔ اس قدر کہ اپنے سے اور سارے عالم سے بے خبر ہو جائے اور کسی چیز کی خبر نہ رکھے۔

جب ایسا ہو تو اگرچہ بیدار ہو تو دل کا دریچہ ملکوت کی طرف کھل
جاتا ہے۔ جو کچھ اور لوگ خواب میں دیکھتے ہیں وہ بیداری میں دیکھ لیتا
ہے۔ ارواحیں اور فرشتے اچھی اچھی صورتوں میں اُسے نظر آتے ہیں۔
اور پیغمبران علیہم السلام کو دیکھنے لگتا ہے۔ اور ان سے فائدے حاصل
کرتا ہے اُن سے مدد پاتا ہے اور ملکوتِ آسمان و زمین اس کو نظر
آتے ہیں اور جس کا دریچہ کھل جاتا ہے وہ ایسے عظیم کام دیکھتا ہے
جو تعریف سے باہر ہیں۔ لیکن ابتدا میں مجاہدے کی تکلیف اور ریاضتیں
ضروری ہیں۔ جیسا حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (یعنی سب چیزوں
سے کوئی علاقہ نہ رکھے اور بالکل اپنے تئیں اللہ کو سونپ دے اور
تدبیروں میں مشغول نہ ہو کہ اللہ آپ سب اُس کے کام بنا دے گا۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا:۔
(یعنی پروردگار مشرق و مغرب کا، نہیں کوئی معبود مگر وہی۔ بس اختیار
کر تو اُس کو وکیل) جب اُس کو وکیل کیا تو سب سے فارغ ہوا۔ اب
خلقت سے نہ مل (یعنی صبر کر جو اہلِ دنیا بکثرت لعن طعن کریں اور تیری
حقارت کریں اور اُن کو چھوڑ دے اچھی طرح سے۔ یہ مجاہدہ اور
ریاضت کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ دل صاف ہو جائے خلقت کی عبادت
اور دنیا کی شہوت سے۔ اور محسوسات کے شغل سے۔ اور صوفیوں کا
راستہ یہی ہے۔ اور یہ نبوت کی راہ ہے۔ اور یہ گمان نہ کر کہ
یہ امور پیغمبران علیہم السلام ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ اس لیے کہ ہر
آدمی اصل فطرت میں اس کے لائق ہے۔ (ہر بچہ پیدا کیا جاتا ہے اسلام

کی فطرت پر) كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ الْاِسْلَامِ کے یہی معنی ہیں۔ وَمَنْ لَمْ يَعْتَقِدْ اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا يُشَاهِدُوْنَ فِي حَالِ الْيَقْظَةِ مَا لَا يُمْكِنُ لِغَيْرِهِمْ اَنْ يَّرَاهُ اِلَّا فِي حَالِ النَّوْمِ لَمْ يَهْتَدِ اِلٰى حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ بِالنُّبُوَّةِ

(جس کا یہ اعتقاد نہ ہو کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو بیداری میں وہ سب کچھ دیکھتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے مگر سونے کی حالت میں، تو اُس نے ہدایت نہیں پائی ایمان بالنبوۃ کی حقیقت کی)۔ اور مجاہدے کو سب محققین نے ثابت کیا ہے اور اُسے مُشاہدے کا سبب فرمایا ہے۔ اور سہیل بن عبداللہ نے مجاہدے کو مُشاہدے کی علت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

(اور جنہوں نے مجاہدہ کیا ہماری راہ میں البتہ ہم اُن کو اپنی راہ دکھاتے ہیں) اور فرمایا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاہدے میراث ہیں مجاہدوں کی اور نہایت حاصل نہیں ہوتی بغیر صحت آغاز کے۔ اور یہ بات میسر نہیں ہوتی مگر عادتوں کے ترک کرنے سے اور الفت کی چیزوں کے جدا کرنے سے) "اَلْمُشَاهِدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهِدَاتِ وَلَا يَسْتَقِيْمُ النِّهَايَاتُ اِلَّا بِتَصْحِيْحِ الْبِدَايَاتِ وَذَا لَا تَيَسَّرُ اِلَّا تَمَرُّكَ الْعَادَاتِ وَهَجَرَ اِنَّ الْمَالُوْفَاتِ" بزرگوں نے فرمایا ہے جب تک صدق مجاہدہ نہ ہوگا ستر کی صفائی نہ ہوگی۔

دوسرا طریق

دوسرا طریق توجہ اور مراقبہ ہے، اور یہ طریق نفی و اثبات کے طریق

سے اعلیٰ ہے اور جذبہ سے بہت قریب ہے اور جو مراقبہ کے طریق سے پہنچتا ہے وزارت اور تصرف کے مرتبہ کو، ملک و ملکوت میں اور دلوں کے خطرے معلوم کرنے لگتا ہے۔ اور بخشش کی نظر کرنے کو اور کسی کا باطن منور کر دینے کو اور دوام جمعیتِ خاطر اور دلوں کے مقبول ہونے کو یہ امور اسی دائم مراقبہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور دوام دولتِ مراقبہ بغیر پہلے ہونے قطع علائق اور عوائق اور صبر کرنا مخالفتِ نفس پر اور بچنا اغیار کی صحبت سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور مراقبہ کیا ہے۔ وہ بے چون و بے چگوں کے معنیٰ جو مبارک اسم اللہ سے مفہوم ہوتے ہیں۔ بے واسطے کسی عبارت عربی و فارسی و عبرانی وغیرہ کے دھیان میں رکھے اور اپنے دل کو صنوبری مقام سے دور نہ رکھے اور اس معنی کو تمام مدرکوں اور قوتوں میں خواہ نخواہ نگاہ میں رکھے۔ یہاں تک کہ اس کی مداومت سے یہ زبردستی نگاہ رکھنا دور ہو جائے۔ اور اگر اس معنی میں کچھ فتور واقع ہو تو اسمِ ذات یعنی اللہ کے معنی کی طرف توجہ کے ساتھ مشغول ہو۔ اسی معنی سے کہ ذکر رہ جائے اور وہی حقیقت ذکر کی حاصل ہو۔ لیکن ابتدا میں اس ضعف کے سبب جو باقی ہے اس معنی کا حاصل کرنا میسّر نہیں ہوتا۔ مگر آہستہ آہستہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کے معنی کے سوا اس کی بصیرت کی نظر میں کچھ نہیں رہتا ہر چند چاہے پھر بھی بیان نہیں کر سکتا۔

اَنَا الْحَقُّ وَ هُوَ الْحَقُّ۔ وَ هُوَ الْحَقُّ اَنَا الْحَقُّ۔ (شعر)

انا الحق، ہو الحق اور ہو الحق انا الحق ہو جاتا ہے۔ (شعر)

اے برادر تو ہمیں اندیشۂ | مابقی تو استخوان و ریشۂ
گر گلست اندیشۂ تو گلشنی | ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی

(ترجمہ)

اے برادر تو فقط اندیشہ ہے | اور باقی ہڈیاں یا ریشہ ہے
خود کو گل سمجھے تو اک گلشن ہے تو | خار گر سمجھے تو بس ایندھن ہے تو

اے عزیز حق سبحانہٗ تعالیٰ نے نفس ناطقہ کو ایسی استعداد بخشی ہے کہ اگر کسی ایسے امر کی طرف، جو نفس الامر میں محقق ہے متوجہ ہو تو اسی کا رنگ قبول کر لیتا ہے اور جس چیز کو اپنا نصب العین اور مد نظر کرے تو اسی کا حکم حاصل کرتا ہے۔

(شعر)

دھیان گل کا دل میں رکھے تو گل ہے تو | اور اگر بلبل سمجھے بلبل ہے تو
جزو ہے تو، کل ہے حق، گر چند روز | کل کا اندیشہ کرے تو کل ہے تو

اور وہ طریق جس سے اس کی نگہداشت آسان ہو جائے تو وہ یہ ہے کہ سانس کو زیر ناف حبس کر کے اور زبان کو تالو اور لب کو لب سے ملا کر سانس کو روکے اس طرح کہ سانس اندر بہت تنگ نہ ہو جائے اور سانس کے باہر آنے میں اور اندر جانے سے اور دونوں دموں کے درمیان سے آگاہی ہو۔ تاکہ کوئی سانس اس شغل سے غافل نہ ہو جائے اور نسبتِ حضورِ مع اللہ میں کوئی فتور نہ آ جائے تو وہاں تک پہنچے کہ بے تکلف یہ نسبت اس کے دل میں حاضر ہو اور آگاہی دل کی صفت لازم ہو جائے جیسے آنکھوں میں بینائی اور کانوں میں شنوائی اگر کسی کو ایسا اپنے سے آگاہ کریں کہ نہایت آگاہی کے سبب اس کو

اپنی آگاہی کا شعور نہ رہے نہایت استغراق ہے اور اوّل اوّل اس حال میں بعضے کے حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن امورِ محسوسہ اور معقولہ کے دریافت و معلوم ہونے سے معطّل ہو جاتے ہیں۔ اور نہایت بیخودی ہو جاتی ہے اور بعضے کو باوجود یہ کہ معنی خوب کمال کے ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں تمام حواس اپنے اپنے کام میں ہوتے ہیں تو یہ حال پہلے حال سے بہت اشرف اور قوی ہے۔ اگر کسی کو اہلِ ولایت کے مقصود کا حال معلوم ہوگا تو وہ یقین کرے گا کہ شہود و حضور و مشاہدہ جو اہلِ ولایت کو ہوتا ہے وہ دوام حصول یادداشت ہی ہے۔ اس کو آگاہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر اس مقام میں ایسا ہو جائے کہ اس نسبت کے شعور کا بھی شعور نہ رہے اور سوائے ہستی حق کے کوئی نسبت نہ رہے اور اشغالِ ظاہری اس کو اس نسبت سے مانع نہ ہوں اور اس کا حضور مانع نہ ہو ظاہری اعمال سے اور وصفِ شاہدی و شہودی اس کی نگاہ دل سے اٹھ جائے اور ایسے دریائے نیستی میں گم ہو جائے کہ اس سے نہ محل رہے، نہ صفت و اسم اور نہ ذات۔ اس کو بزرگوں نے فناء فناء سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اس کو حق سبحانہٗ تعالیٰ مقام ترقی عطا فرمائے اور فناء کے بعد جو بقا ہے اس پر اسے پہنچائے تو اپنی طرف سے بہ محض عنایت ایسا نور بخشتا ہے کہ اس نور سے وہ دیکھ سکتا ہے کہ مشاہدہ سوائے اللہ کے نہیں ہے اور کل اشیاء اس کے مظاہر اور تجلّی گاہ ہیں اور یہ امر اس کا ملکہ ہو جائے ایسے شخص کو بالغوں میں سے گنا ہے۔ پھر وہ ناقصوں کے کامل کرنے کو مقرر ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں کی صحبت اور تربیت کی اجازت دی جاتی ہے جو اس راستے

کے مستعد ہوں اور اسی مقام میں اگر دل کو تمکین حاصل ہوتی ہے تو
اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ سرتاپا خوشی و فرح ہے۔ دونوں جہاں اس کے
دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں اور جو دل کی نظر اس پر پڑے کہ
ابھی کچھ رہ گیا ہے کہ اسے نہیں پہنچا ہے تو اس کا حال تمام شوق و قلق
اور اضطراب میں ہوتا ہے۔ اگر یہ اضطراب و اشتیاق کسی انبیاء
اور غیر انبیاء سے زائل نہیں ہوا۔ ہمیشہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے دوستوں
کو اس خوشی اور غم و اشتیاق میں رکھتا ہے قیامت تک۔ اس واسطے
کہ جب کوئی اس تجلی سے مشرف ہوتا ہے تو اس تجلی کے سبب دوسری تجلی
کی استعداد حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح آگے ہوتی چلی جاتی ہے بے
نہایت۔ جس قدر تجلیات زیادہ ہوتی ہیں اشتیاق زیادہ ہوتا ہے۔ نہ
اُدھر سے فیض کا آبِ حیات منقطع ہوتا ہے نہ اِدھر محبانِ جمال کی پیاس کم ہوتی ہے

(شعر)

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْساً بَعْدَ كَأْسٍ فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رَوِيْتُ

(ترجمہ)

مئے اُلفت چڑھاتا جا رہا ہوں نہ چکتی ہے نہ میں اُکتا رہا ہوں

تیسرا طریقہ

تیسرا طریقہ رابطہ کا ہے۔ رابطہ اُسے کہتے ہیں کہ جو ایسا پیر ہو کہ
مشاہدۂ تام کو پہنچا ہو اور تجلیاتِ ذاتیہ سے متحقق ہو۔ اُس کا دیدار
بموجب هُمُ الَّذِيْنَ إِذَا رَأَوْا ذُكِرَ اللّٰهُ. (وہ وہ لوگ ہیں کہ
جب لوگ اُن کو دیکھیں تو اللہ کا ذکر کریں) کے ذکر کا فائدہ دیتا ہے۔

اور اُس کی صحبت بموجب هُمْ جُلَسَآءَ اللّٰهِ (وہ اللہ کے دو باری ہیں)
کے، نتیجہ اللہ کی صحبت کا دیتا ہے۔ جب ایسے عزیز کی صحبت حاصل ہو،
اور اس کا اثر اپنے میں پائے تو جس قدر ہو سکے اس کی حفاظت
کرے۔ اگر موجود ہو تو اس کے دونوں ابروؤں کے درمیان نظر
کرے اور ایسا ربط کرے کہ سوا اُس عزیز کے اور کسی کی ہستی نہ
رہے۔ اپنی ہستی سے نکل کر اُس کی ہستی سے متصور ہو جائے۔ اور جو
اس میں کچھ فتور واقع ہو جائے تو پھر اُس کی صحبت میں رجوع کرے تاکہ
اُس کی برکت سے وہ بات حاصل ہو جائے۔ اسی طرح ایک بار، دو بار، تین
بار کرے جب تک وہ کیفیتِ معلومہ ملکہ نہ ہو جائے جب تک ایسا کرے
اور اگر وہ حاضر نہ ہو تو اُس عزیز کی صورت خیال میں لاکر سب قوائے
ظاہری و باطنی سے قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو، جو خطرہ پریشان کرے
تو اس کو دور کرے تاکہ بیخودی کی کیفیت حاصل ہو اور اس طریقے سے
کوئی اور طریقہ نزدیک نہیں ہے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ مُرید میں اگر ایسی
قابلیت ہو کہ پیر اُس میں تصرّف کرے تو پہلے ہی دفعہ میں مشاہدہ کو پہنچاتا
ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اِصْحَبُوْا مَعَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تُطِيْقُوْا
مَعَ مَنْ اَصْحَبُ مَعَ اللّٰهِ۔ (ترجمہ)
(اللہ کے ساتھ مصاحبت کرو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کے ساتھ
مصاحبت کرو جو اللہ کے ساتھ مصاحبت کرتا ہے) یعنی ہمت رکھ کہ
آگاہی سے جو ایک پرتو ہے تجلّیِ ذاتی کا مشرّف ہو کر کونین کے تعلق سے
خلاصی پائے۔ اور جو ایسے کام کی طاقت نہیں تو آگاہ اُن لوگوں سے
ہو جو تجلّی سے مشرّف ہوئے ہیں اور اپنی خودی سے رہائی پا چکے ہیں اور

اُن کی ہمّت شریف غیر کے تعلق سے نجات پائی ہوئی ہے ۔ (آیۂ کریمہ) کُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ (رہو تم صادقوں کے ساتھ) اسی طرف اشارہ ہے۔ جس کی صفائی فطرت باقی ہوتی ہے وہ ایسے صاحبِ دولت کے اشارہ سے جو شہودِ ذاتی کو پہنچا ہوا ہو تھوڑے عرصے میں اس دولت کو پہنچ جاتا ہے ۔

(شعر)

آنکہ بہ تبریز دید یک نظر شمس دین طعنہ زند بر دہٗ دسخرہ کند بر چلّہ

(ترجمہ)

تبریز میں جو ایک نظر میں مجھے ملا چلّے میں اور دہے میں بھی حاصل نہ ہوسکا

فصل ۳

بیان میں کلماتِ قدسیہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے جو سلسلۂ خواجگان کے سر حلقہ ہیں ان کی اصطلاح کے الفاظ جن سے اُن کا طریقہ معلوم ہوتا ہے مع اور فائدوں کے جو اس طریقے کے سالکوں کے لیے بہت ضروری ہے اس فصل میں ہم بیان کرتے ہیں ۔ اور حضرت خواجہ کا ایک وصیت نامہ ہے آدابِ طریقت میں جو انھوں نے اپنے فرزندِ معنوی اولیاءِ کبیر قدس سرہٗ کے واسطے لکھا ہے جس میں بہت بڑے بڑے فائدے ہیں۔ جو سب سالکوں اور مریدوں کے لیے بہت ضروری ہیں اور ان سب وصیتوں میں سے یہ چند فقرے ہیں کہ جامع ہیں کہ لکھے جاتے ہیں ۔ میں وصیت کرتا ہوں اے میرے فرزند علم و ادب اور تقویٰ کو ہر حال میں اپنے اوپر لازم کر پیروی آثارِ سلف کی کرے اور ملازم سنّت و جماعت کا رہے ، فقہ و حدیث سیکھے اور جاہل صوفیوں سے

کنارہ کرے۔ ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھے۔ اس شرط سے کہ مؤذن اور امام
تو نہ ہو۔ ہرگز شہرت طلب نہ کرے کہ شہرت آفت ہے۔ اور کسی منصب کا
مقید نہ ہو۔ ہمیشہ گمنام رہو۔ اور قبالوں میں اپنا نام نہ لکھ اور محکمۂ
قضا میں کبھی نہ جا، اور کسی کا ضامن نہ ہو۔ اور لوگوں کی وصیتوں میں
نہ پڑ۔ اور بادشاہ اور شہزادوں سے محبت نہ رکھ، اور خانقاہ
نہ بنا اور خانقاہ میں نہ بیٹھ اور بہت سماع نہ سُن کہ سماع سے نفاق
پیدا ہوتا ہے اور دل مرجاتا ہے۔ اور سماع کا انکار نہ کر کہ سماع
کے لیے اصحاب سماع بہت ہیں۔ کم بول، کم کھا اور کم سو اور
خلقت سے بھاگ جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ اور اپنی خلوت کا ملازم
رہ۔ اور مردوں اور عورتوں اور بدعتیوں سے اور تونگروں سے
صحبت نہ رکھ۔ حلال کھا اور شبہ سے پرہیز کر اور جب تک ہوسکے
نکاح نہ کر دنیا کا طالب ہو اور نہ دنیا کی طلب میں دین برباد کرے۔
بہت نہ ہنس، لوگوں کو شفقت کی نظر سے دیکھ۔ اور کسی کو بھی حقیر نہ
جان۔ اپنے ظاہر کو آراستہ نہ کر کہ ظاہر کی آرایش باطن کی خرابی کی
وجہ سے ہے۔ خلقت سے جھگڑا نہ کر اور کسی سے کچھ نہ چاہ۔ اور
کسی سے خدمت نہ لے۔ اور مشائخ کی مال و جسم و جان سے خدمت کراؤ
ان کے افعال کا انکار نہ کر کہ ان کا منکر ہرگز رہائی نہ پائے گا عذاب
سے۔ دنیا اور دنیا داروں پر مغرور نہ ہو۔ چاہیے کہ تیرا دل ہمیشہ اندوہ
گیں رہے۔ اور تیرا بدن بیمار۔ اور آنکھیں روتی ہوئی۔ اور تیرا عمل
خالص اور دعا عاجزی اور گڑگڑانے کے ساتھ اور کپڑے پرانے،
اور تیرے رفیق درویش اور تیری پونجی فقر۔ تیرا گھر مسجد اور تیرا

مونس حق سبحانہٗ تعالیٰ ۔ اور حضرت خواجہ کے کلمات قدسیہ میں سے یہ آٹھ کلمے ہیں کہ خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ کی بنا انھیں پر ہے ۔ وہ ہیں ۔ ہوش دردم ۔ نظر بر قدم ۔ سفر در وطن ۔ خلوت در انجمن ۔ یاد کرد ۔ بازگشت ۔ نگہداشت ۔ یادداشت ۔ اور ان کے سوا سب نصیحت پر ۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تین کلمے اور ہیں اصطلاحوں میں سے اس طریقۂ علیہ کے ۔ ایک وقوف زمانی اور ایک وقوف عددی اور ایک وقوف قلبی ۔ یہ سب گیارہ کلمے ہیں ۔ مولانا سعدالدین کاشغری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہوش در دم یعنی انتقال ایک نفس سے دوسرے نفس کی طرف چاہیے کہ غفلت سے نہ ہو حضور کے ساتھ ہو ۔ جو سانس لے اللہ تعالیٰ سے خالی اور غافل نہ ہو ۔ اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ میں نفس کی رعایت اور نگہبانی بہت ضروری ہے ۔ یعنی چاہیے کہ ہر سانس ساتھ حضوری اور آگاہی کے معروف ہو ۔ اور جو کوئی رعایت سانس کی نہیں کرتا تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص کھو گیا ۔ یعنی طریقہ اور روش بھول گیا ۔ اور حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں کام کی بنا سانس پر کرنی چاہیے کہ سانس ضائع نہ ہو جائے ۔ باہر آنے اور اندر جانے میں اور ان دونوں سانسوں میں نگاہبانی چاہیے کہ غفلت سے نہ آئیں ۔ (دوبیتی) ؎

اے ماندہ زبحر علم بر ساحل عین — دُر بحر فراغ است و بر ساحل شین

بردار صفائے نظر ز موج کونین — آگاہ بہ بحر باش بین النفسین

(ترجمہ)

کیوں علم کے ساحل پہ کھڑا روتا ہے — دولت کی سمندر میں کنارے کیا ہے؟

کونین کی موجوں سے بچا کر نظریں — دو سانسوں کے درمیان دیکھ دریا ہے

حضرت خواجہ مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی رباعیات کی شرح کے آخر میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابو الجناب نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ نے رسالہ فواتح الجمل میں فرمایا ہے کہ جو ذکر کہ جاری کیا ہے حیوانات کے نفسوں پر یہ اُن کے انفاس ضروریہ ہیں۔ اس واسطے کہ سانس کے آنے جانے میں حرف جو مہارت کے ساتھ غیب ہویت حق سبحانہٗ تعالےٰ کے کہے جاتے ہیں۔ اگر چاہیں۔ یا نہ چاہیں، وہ ہی حرف ہیں جو اللہ کے اسم مبارک میں ہیں۔ اور الف لام تعریف کا ہے۔ اور لام کی تشدید اُس تعریف کے مبالغے کے واسطے ہے۔ تو چاہیے کہ طالب ہوش مند حق سبحانہٗ تعالےٰ کی آگاہی کی نسبت میں ایسی وجہ پر ہو کہ جب یہ حرف تلفظ میں آئیں تو حق سبحانہٗ تعالےٰ کی ہویت ذات اُس کی ملحوظ ہو۔ اور سانس کے اندر جانے اور باہر آنے میں واقف ہو۔ نسبت حضور مع اللہ میں کچھ فتور نہ پڑے۔ یہاں تک کہ وہاں پہنچے کہ بے تکلف اس نسبت کی نگاہداشت ہمیشہ اس کے دل میں حاضر رہے ایسے کہ تکلف سے بھی اس نسبت کو دور نہ کر سکے۔

(رُباعی)

با غیب ہویت آمد اے حرف شناس	انفاس ترا بود بداں حرف اساس
باش آگہ ازاں حرف در امید وہراس	حرفے گفتم شگرف اگر داری پاس

(ترجمہ)

کہتے ہیں ہویت ہے بس پردۂ غیب	چلتی ہیں اسی آس پہ سانسیں بے عیب
اُمید وہراس میں بھی رکھو یاد اُسے	جو بات میں کہتا ہوں وہ حق ہے لاریب

پوشیدہ نہ رہے کہ غیبت ہویت جو حضرت عبدالرحمٰن جامی عارف

ربانی نے اس رباعی میں فرمائی ہے۔ اہلِ تحقیق کی اصطلاح میں عبارت ہے ذاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے۔ بہ اعتبارِ لاتعیّن کے۔ یعنی بشرطِ اطلاق حقیقی کے کہ مقید نہیں اطلاق سے بھی۔ ممکن نہیں ہے کہ اس مرتبہ میں کوئی علم اور کوئی ادراک ہرگز اُس سے متعلق ہو اور اس حیثیت سے مجہولِ مطلق ہے۔

نظر بر قدم یہ ہے کہ سالک کی نظر آنے جانے میں شہر اور جنگل میں سب جگہ پُشتِ پا پر رہے۔ اس لیے کہ اُس کی نظر پریشان نہ رہے۔ جہاں نہ چاہیے وہاں نہ جا پڑے۔ اور یوں بھی ممکن ہے کہ نظر بر قدم اشارہ ہو سُرعت سیرِ سالک سے ہستی کی مسافت کے قطع کرنے میں اور خود پرستی کی گھاٹیاں طے کرنے میں۔ یعنی جس جگہ اُس کی نظر منتہی ہو فوراً اُس پر قدم رکھے۔ اور وہ جو ابو محمد رویم قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ (مسافر کا ادب یہ ہے کہ اُس کی ہمت اُس کے قدم سے تجاوز نہ کرے) اشارہ اسی طرف ہے۔ اور حضرت عارف سبحانی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے ایسا ہی کتاب تحفۃ الاحرار میں حضرت بہاءالدین قدس سرہٗ کی منقبت میں یہ مضمون اسی طرح نظم میں لائے ہیں۔

(ابیات)

کم زدہ بے ہمدمی و ہوش دم   در نگذشتہ نظرش از قدم
بسکہ ز خود کردہ بہ سرعت سفر   باز نماندہ قدمش از نظر

(ترجمہ در رباعی)

غفلت میں کوئی سانس نہ لینا ہشیار   آنکھوں کو قدم سے نہ ہٹانا زنہار
خود اپنی ہی ہستی میں سفر کرنا تیز   چھوٹے نہ نگاہ سے قدم کا رہوار

سفرِ در وطن یہ ہے کہ سالک طبیعتِ بشری سے سفر کرے۔ یعنی صفاتِ بشری سے صفاتِ ملکی کی طرف ۔ اور صفاتِ ملکی سے صفاتِ رحمانی کی طرف بموجب تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ (اللہ کی عادتیں اختیار کرو) کے اور حضرت مولانا سعد الدین کاشغری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ شخص خبیث جس جگہ جائے اُس کی خباثت موقوف نہیں ہوتی۔ جب تک اُن صفاتِ خبیثہ کو ترک نہ کرے ۔ جاننا چاہیے کہ مشائخ طریقت کا حال سفر و اقامت کے اختیار کرنے میں مختلف ہے۔ بعضے ان میں سے ابتدا میں سفر کرتے ہیں ۔ اور انتہا میں اقامت اختیار کرتے ہیں ۔ اور بعضے ابتدا میں مقیم ہوتے ہیں اور انتہا میں سفر کرتے ہیں اور بعضے اول و آخر میں مقیم ہی رہتے ہیں سفر نہیں کرتے اور بعضے ہمیشہ سفر ہی کرتے ہیں اقامت نہیں کرتے ۔ اور ان چار فرقوں میں ہر فرقہ کے سفر اور اقامت میں نیت صادق اور غرض صحیح ہوتی ہے جیساکہ عوارف کے ترجمے میں مشروح ہے ۔ لیکن طریقۂ خواجگان قدس اللہ سرہٗ وارواحہم کا سفر اور اقامت میں یہ ہے کہ ابتدائے حال میں اتنا سفر کرتے ہیں کہ کسی عزیز کی ملازمت میں پہنچ جائیں ۔ اور پھر اس کی خدمت میں اقامت کریں ۔ اور جو اپنے ہی ملک میں یا شہر میں کسی ایسے کو پاتے ہیں تو سفر ترک کر کے اس کی ملازمت میں رہتے ہیں ۔ اور خوب کوشش کرتے ہیں ملکۂ آگاہی کے حاصل کرنے میں ۔ بعد حاصل ہونے صفت کے ملکہ سفر اور اقامت دونوں برابر ہیں ۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ مُبتدی کو سفر میں سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ۔ جب کوئی طالب کسی عزیز کی صحبت میں پہنچے تو اُسے

چاہیے کہ اقامت کرکے اُس کی خدمت میں رہے اور وصف تمکین حاصل کرے۔ اور ملکۂ نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم کا تحصیل کرے۔ اس کے بعد جہاں جاؤ کچھ مانع نہیں۔

رُباعی

یارب چہ خوش است بے دہان خندیدن — بے واسطۂ چشم جہاں را دیدن
بنشین وسفرکن کہ بغایت خوبست — بے منتِ پا گردِ جہاں گر دیدن

(ترجمہ رُباعی)

بے ہونٹ ہلائے ہوئے ہنسنا کیا خوب — بے آنکھ کھلے، نگاہ کھلنا کیا خوب!
بیٹھ، اور سفر کر، کہ یہی بہتر ہے — بے پاؤں کے آفاق میں چلنا کیا خوب

حضرت عارف سبحانی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے اشعۃ اللمعات میں اس بیت کی شرح میں کہ ؎

آئینہ صورت از سفر دور است — کاں پذیرائی صورت از نور است

؎ ترجمہ

صورت آئینہ سفر سے دور ہے — کیوں کہ یہ صورت قبول نور ہے

یوں فرمایا ہے کہ آئینہ صورت کی طرف سفر نہیں کرتا ہے۔ اس واسطے کہ صورت کا قبول کرنا بسبب صفا اور نوریت اپنی وجہ کے ہوا ہے جو کچھ اس کے مقابل آتے۔ اور صورت دکھائے اُس کی صورت اس میں منطبع ہو جاتی ہے۔ اور وہ آئینہ کچھ حرکت صورت کی طرف نہیں کرتا۔ اسی طرح دل کا آئینۂ معنوی صورِ کونیہ کے حشویات سے خلاص ہوتا ہے۔ اور نور وصفا اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اور طبعی خواہشوں کے ظلمات زائل ہو جاتے ہیں تو وہ تجلیاتِ ذاتیہ وصفاتیۂ الٰہیہ کا قبول کرنیوالا

ہو جاتا ہے ۔ کچھ حاجت سیر و سلوک کی نہیں رکھتا اس واسطے کہ اس کا سیر و سلوک تصفیہ و تصقلہ قلب کی وجہ کا ہے ۔ جب وہ صاف اور صیقل ہو گیا تو سفر سیر و سلوک سے مستغنی اور بے پروا ہو گیا ۔

خلوت در انجمن حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ سے پوچھا کہ آپ کے طریقہ کی بنا کس چیز پہ ہے ؟ فرمایا ۔ خلوت در انجمن پر ۔ بظاہر با خلق اور بہ باطن با حق سبحانہٗ تعالیٰ ۔ کہ صوفیہ کا ایک قول ہے ۔ اَلصُّوْفِیُ ھُوَ الْکَائِنُ وَ الْبَائِنُ ۔ صوفی ظاہر و باطن میں یکساں موجود ہوتا ہے ۔

شعر

اندرون شو آشنا از بروں بیگانہ وش　　　　ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

ترجمہ شعر

باطن سے آشنا ہو بیگانہ ہو بظاہر　　　　رفتار خوب ایسی ہوتی ہے کم جہاں میں

وہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو سوداگری اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے) ۔ وہ اسی مقام کا اشارہ ہے ۔ فرمایا ہے کہ باطنی نسبت اس طریقہ کی ایسی ہے کہ ظاہر میں جمعیت دل کی اور تفرقہ کی صورت میں اس سے زیادہ جو خلوت میں ہو ۔ اور فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے کہ خلوت میں شہرت ہوتی ہے اور شہرت میں آفت ہوتی ہے ۔ خیریت و جمعیت صحبت میں ہے بشرطیکہ باہم دگر نفی ہو ۔ خواجہ اولیاء کبیر قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ خلوت در انجمن

---

[1] متن میں اس قول کو حدیث کہا گیا ہے ۔

یہ ہے اشتغال و استغراق ذکر میں اس مرتبہ کو پہنچے کہ اگر بازار میں آئے تو بازار والوں کی کوئی آواز نہ سنائی دے۔ ایسا غلبہ ذکر کا دل کی حقیقت پر ہو۔ خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ذکر میں مشتغل ہونا کوشش و اہتمام پانچ چھے روز میں حاصل ہو جاتا ہے کہ سب آوازیں اور حکایتیں لوگوں کی ذکر معلوم ہوتی ہیں۔ اور جو بات کرتا ہے ذکر سنائی دیتا ہے۔ قاضی محمد قدس سرہٗ کے مجموعہ میں منقول ہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ابتداے سلوک میں ذکر مجھ پر اس قدر غالب تھا کہ اگر ہوا بھی چلتی تھی یا کسی درخت کا پتا بھی کھڑکتا تھا یا کسی آدمی کی آواز میرے کان میں پہنچتی تھی سب مجھ کو ذکر معلوم ہوتا تھا۔ جس کا ابتدا میں حال ایسا نہ ہو وہ نہایت میں کمالاتِ ذات کو نہیں پہنچا ہے۔

یاد کرد۔ کہتے ہیں ذکرِ زبانی دل کے ساتھ۔ حضرت مولانا سعدالدین کاشغری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ذکر کی تعلیم کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے شیخ دل میں کہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" مُرید اپنا دل حاضر کرے اور شیخ کے دل کے مقابل رکھے اور آنکھیں بند کر لے اور منھ مضبوط بند کرے اور زبان کو تالو سے لگائے دانت کو دانت پر رکھ لے، سانس کو اٹھائے اور خوب قوت و تعظیم سے ذکر کرے موافق شیخ کے۔ دل سے کہے زبان سے نہیں اور سانس کو روکے۔ ایک سانس میں تین دفعہ کہے ایسا کہ ذکر کی حلاوت کا اثر دل میں پہنچے۔ اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ نے اپنے بعض کلماتِ قدسیہ میں لکھا ہے کہ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ دل ہمیشہ حق سبحانہٗ

تعالیٰ سے آگاہ رہے۔ محبت اور تعظیم کے ساتھ اگر یہ آگاہی اہلِ
جمعیت کی صحبت میں حاصل ہو جائے تو خلاصہ ذکر کا حاصل ہو گیا۔
اور جو صحبت میں یہ آگاہی حاصل نہ ہو تو یہ طریقہ ہے کہ ذکر کیا جائے۔
اس طرح، جس طرح پہلی فصل میں گذرا ہے۔

اور بازگشت کہتے ہیں ذکر کے ملاحظہ کو۔ یعنی ہر دفعہ جب زبانِ
دل سے کلمۂ طیب کہے تو اُس کے پیچھے اسی زبان سے کہے کہ الٰہی میرا
مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا۔ اس واسطے کہ یہ کلمۂ بازگشت نفی
کرنے والا ہے ہر نیک و بد خطرے کا جو آئے تاکہ اس کا ذکر خالص
ہو جائے اور اس کا ستر ماسوا سے فارغ ہو۔ اگر مبتدی شروع
میں بازگشت کے کلمہ کا صدق اپنے میں نہ پائے تو چاہیے کہ ترک نہ کرے۔
اس واسطے کہ رفتہ رفتہ صدق کا ظہور ہوئے گا۔

نگاہ داشت کہتے ہیں خطروں کے مراقبہ سے ایک دم میں کئی مرتبہ
کلمۂ طیب کہے کہ غیر کا خطرہ نہ آئے۔ حضرت مولانا سعد الدین قدس سرہٗ
نے اس نگاہ داشت کے کلمہ کے یہ معنی فرمائے ہیں۔ چاہیے کہ ایک
ساعت یا دو ساعت اور دو ساعت سے زیادہ جس قدر ہو سکے اپنی
خاطر کو نگاہ میں رکھے کہ غیر کا خطرہ اُس میں نہ آنے پائے۔ حضرت
مولانا قاسم علیہ الرحمۃ جو بڑے اصحاب اور مخصوصان حضرت خواجہ
عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے ہیں، ان سے منقول ہے کہ فرمایا ہے
کہ ملکہ نگاہ داشت میں اس وجہ سے پہنچا ہے کہ طلوع فجر سے جب
تک چاشت کا وقت بلند ہو دل کو اغیار کے خطرے سے نگاہ رکھ سکتا
ہے۔ ایسی وجہ پر کہ اس قدر وقت میں قوتِ متخیلہ اپنے عمل سے

معزول ہوجائے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ قوتِ متخیّلہ کا بالکل معذور ہوجانا اگرچہ آدھی ساعت ہو، اہلِ تحقیق کے نزدیک ایک بڑا امر عظیم ہے۔ اور یہ نوادر سے ہے اور بعضے بڑے اہلِ کمال کو یہ بات کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ جیساکہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس اللہ سرہٗ نے فتوحاتِ مکی میں جس جگہ سجودِ قلبی کا بیان کیا ہے سوال و جواب میں خواجہ محمد علی حکیم ترمذی قدس اللہ سرہٗ کے اس امر کی تحقیق کی ہے۔

یاد داشت :۔ اس سے مقصود دوام آگاہی ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بر سبیل ذوق کے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضورِ بے غیبت ہے اور اہلِ تحقیق کے نزدیک مشاہدہ ہے کہ استیلاء شہودِ حق ہے دل پر حبِ ذاتی کے واسطہ سے۔ یہ کنایہ حضور یاد داشت سے ہے۔ اور حضرت خواجہ احرار نے ان چاروں کلموں کی شرح جو مذکور ہوئے یوں فرمائی ہے کہ یاد کرد ذکر میں تکلف ہے اور باز گشت حق سبحانہٗ تعالیٰ سے رغبت اس وجہ سے کہ ہر دفعہ جو کلمۂ طیبہ کہے اُس کے پیچھے کہے کہ خداوندا میرا مقصود تو ہی ہے اور نگاہداشت محافظت اس رجوع کی ہے۔ اور یاد داشت رسوخ سے مراد ہے نگاہداشت میں۔

وقوفِ زمانی :۔ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ وقوفِ زمانی "جو راستہ کا کام بنانے والا ہے" یہ ہے کہ بندہ اپنے حال سے واقف ہو ہر وقت۔ کہ اس کا کیا حال اور کیا صفت ہے۔ شکر کے لائق ہے یا عذر کے لائق اور

حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی یہی فرمایا ہے اور بسط کے حال میں شکر کیا ہے کہ رعایت ان دونوں احوال کی وقوفِ زمانی ہے۔ اور یہ بھی حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے کہ سالک کی بناءِ کار وقوفِ زمانی میں اس ساعت پر مقرر رہے کہ معلوم کرے نفس کو کہ حضور میں گذرتا ہے یا غفلت میں۔ اگر سانس پر بناء نہ کریں تو ان دونوں صفتوں کو معلوم کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور وقوفِ زمانی محاسبہ سے مُراد ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے کہ محاسبہ یہ ہے کہ جو ساعت ہم پر گذری ہے ہم محاسبہ کرتے ہیں کہ غفلت کیا ہے اور حضور کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب نقصان ہے پس ہم بازگشت کرتے ہیں۔ اور نئے سرے سے عمل کرتے ہیں۔

وقوفِ عددی رعایت عدد کی ہے ذکر میں۔ حضرت خواجہ بزرگ بہاء الدین قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ عدد کی رعایت ذکرِ قلبی میں متفرق خطرات کے دفع کرنے کے لیے ہے اور وہ جو خواجگان قدس اللہ سرہم وارواحہم کے کلام میں واقع ہے کہ فلاں نے فلاں کو وقوفِ عدد فرمایا۔ اس سے مقصود ذکرِ قلبی ہے عدد کی رعایت کے ساتھ۔ نہ فقط عدد کی رعایت ذکرِ قلبی میں۔ اور ذاکر کو چاہیے کہ ایک سانس میں تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ یا اکیس مرتبہ ذکر کہے اور طاق عدد کو لازم کرے حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس اللہ روحہٗ نے فرمایا ہے کہ بہت کہنے کی شرط نہیں۔ چاہیے کہ جس قدر کہے وقوف اور

حضور کے ساتھ کیے کہ فائدہ ہو۔ اور جب ذکر قلبی میں عدد اکیس سے بڑھ جائے اور اثر ظاہر نہ ہو تو یہ بے حاصلی کی دلیل ہے اُس ذکر کی۔ اور ذکر کا اثر اُسے کہتے ہیں کہ نفی کے وقت بشریت کے وجود کی نفی ہو جائے اور اثبات کے وقت جذباتِ الوہیت کے تصرّف کے آثار کا اثر دھیان میں آئے اور وہ جو حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا ہے کہ وقوفِ عددی اول مرتبہ علم لدنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اہلِ بدایت کی نسبت علم لدنی کا پہلا مرتبہ تصرفات جذباتِ الوہیت کے آثار کا مطالعہ ہو جو کہ حضرت خواجہ علاء الدین قدس سرہٗ نے فرمایا ہے اس لیے کہ وہ ایک کیفیت اور حال ہے جو قریب کے مرتبہ سے وصل ہے اور علم لدنی اس مرتبہ میں مکشوف ہوتا ہے۔ اور اہلِ نہایت کی نسبت وقوفِ عددی جو اول مرتبہ علم لدنی کا ہے یہ ہو کہ ذاکر واقف ہو واحد حقیقی کے سریان کا اعداد کونی کے مراتب میں جیسے واقف ہے واحد عددی کے سریان کا، اعداد حسابی کے مراتب میں ہے

شعر

اعدادِ کون و صوَر کثرت نمائش است ۔۔۔ فَالْکُلُّ وَاحِدٌ تَجَلّٰی بِکُلِّ شان

(ترجمہ)

اعداد خلق و صور کثرت کی ہے نمائش ۔۔۔ بس ایک ہی جو کُل میں جلوہ دکھا رہا ہے

اور بڑے محققوں میں سے ایک بزرگ نے اس مضمون کو یوں فرمایا ہے ؎

کثرت چو نیک درنگری عینِ وحدت است ۔۔۔ ما را شکے نماند درین گر ترا شکے است

در ہر عدد کہ بنگری از روے اعتبار ۔۔۔ گر صورتش نہ بینی در مادہ اش یکے است

(ترجمہ)

جب غور سے یہ دیکھا کثرت ہی عین وحدت — شک ہو یقیں تو شک ہو ہم کو تو شک نہیں ہے
گر اعتبار کرکے ہر اک عدد کو دیکھو — صورت اگر نہ دیکھو اثنین تک نہیں ہے

اور شرحِ عبارات میں فرمایا ہے ؎ رُباعی

در مذہبِ اہلِ کشف و اربابِ خرد — ساری است احد در ہمہ افرادِ احد
زیراکہ عدد گرچہ بردن است ز حد — ہم صورت ہم مادہ اش ہست احد

(ترجمہ)

کہتا ہے یہی اہلِ خرد کا مذہب — ساری ہی ہر اک شے میں احد کا جلوہ
اعداد ہوں گو لاکھ فزوں تر حد سے — ہے مادہ صورت میں صمد کا جلوہ

اور حقیقت میں یہ وقوف ہے جو علم لدنی کا اول مرتبہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

پوشیدہ نہ رہے کہ علم لدنی وہ علم ہے کہ اہلِ قرب کو تعلیمِ الٰہی اور تفہیم ربانی سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے وہ عقلی دلیلوں اور نقلی شواہد سے نہیں معلوم۔ جیسا قرآن عظیم میں خضر علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے:۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (اور سکھایا ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم) اور علم یقینی اور علم لدنی میں یہ فرق ہے کہ علمِ یقینی ذات و صفاتِ الٰہی کے ادراک کو کہتے ہیں۔ اور علم لدنی اُسے کہتے ہیں جو بطریقِ الہام حق سبحانہٗ تعالیٰ کے کلمات کے معنی ادراک کرے

وقوفِ قلبی دو معنی پر بولا جاتا ہے ایک یہ کہ ذاکر کا دل واقف اور آگاہ ہو حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اور یہ مقولہ یاد داشت سے ہے

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے بعضے اپنے کلمات قدسیہ میں لکھا ہے کہ وقوفِ قلبی کہتے ہیں دل کی آگاہی اور حاضر ہونے کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی جناب میں ایسی وجہ پر کہ دل کو کوئی ضرورت سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نہ ہو۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ذاکر دل سے واقف ہو یعنی ذکر کے درمیان قطعہ لحم صنوبری شکل کی طرف متوجہ ہو جسے مجازاً دل کہتے ہیں اور وہ بائیں طرف پستان کے نیچے واقع ہے۔ اور اسے ذکر سے مشغول اور گویا کرے۔ اُسے چھوڑ نہ دے کہ وہ ذکر اور اس کے مفہوم سے غافل ہو جائے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ ذکر میں حبس نفس اور عدد کی رعایت لازم نہیں جانتے۔ مگر وقوفِ قلبی کو دونوں معنوں سے جو ذکر ہوئے لازم وضروری جانتے تھے۔ اس واسطے کہ ذکر کا خلاصہ جو مقصود ہے وہ وقوفِ قلبی ہی ہے۔

شعر

مانندِ مرغے باش ہاں بر بیضۂ دل پاسباں ‏ ‏ ‏ کز بیضۂ دل زایدت مستی و ذوق و قہقہہ

ترجمہ

بیضۂ دل کا ہو چڑیوں کی طرح سے پاسباں ‏ ‏ ‏ تاکہ اس سے قہقہہ اور ذوق و مستی ہو عیاں

فصل ۴

توجہ وغیرہ کے بیان میں۔ اس طائفہ کی توجہ کا طریقہ اور باطنی نسبت کی پرورش کا دستور یوں ہے کہ جب چاہیں دل سے مشغول ہوں تو پہلے اُس شخص کی صورت جس سے یہ نسبت حاصل کی ہے خیال میں لائیں اُس وقت تک کہ حرارت کا اثر اور کیفیتِ معہودہ ظاہر ہو۔ اس

کے بعد اس خیال کی نفی نہیں کرتے بلکہ اُسے نگاہ رکھتے ہیں۔ اور آنکھ اور کان اور تمام قویٰ سے اُس خیال کے ساتھ قلب کی طرف متوجہ ہوں جو حقیقتِ جامع انسانی ہے جس کی تفصیل کائنات علوی اور سفلی ہے اگرچہ وہ حقیقتِ جامع انسان میں حلول کرنے سے منزّہ ہے لیکن جب کہ نسبت اُس کے اور قطعۂ صنوبری کے درمیان میں ہے تو اس شکلِ لحم صنوبری کی طرف کرنی چاہیے۔ اور آنکھ فکر خیال اور سب قویٰ کو اس کی طرف متوجہ کرے اور ہمیں اس میں کچھ شک نہیں کہ اس حالت میں غیبت و بیخودی کی کیفیت دکھائی دینی شروع ہو۔ اس کیفیت کو ایک راہ فرض کرنا چاہیے اور جو خطرہ آئے اس کو اپنے قلب کی حقیقت کی توجہ سے نفی کرنی چاہیے۔ اگر نفی نہ ہوسکے تو اُس شخص کی صورت سے التجا کرے کہ پھر وہ نسبت پیدا ہو جائے اُس وقت خود وہ صورت نفی ہو جائے گی۔ لیکن چاہیے کہ وہ شخصِ متوجہ اُس صورت کی نفی نہ کرے۔ اور جو اس صورت سے وسواس نہ جائیں تو کئی بار اسم "یا فعال" کے معنی کے ساتھ دل میں مشغول ہوں اور جو اس سے بھی دفع نہ ہو تو دل میں کئی بار تامل کے ساتھ کلمۂ "لا الٰہ الا اللہ" کا اس طریق سے تصور کرے کہ "لا موجود الا اللہ" اور وہ وسوسہ جو پریشان کرنے والا ہے جس قسم کا ہو جب موجود ہے اور موجوداتِ ذہنی سے حقیقت میں اسے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ قائم دیکھے بلکہ عینِ حق جانے۔ اس واسطے کہ باطل بھی بعضے ظہوراتِ حق سے ہے۔ جیسا فرمایا ہے ابویزید قدس سرہٗ نے

شعر

لَا تُنکِرُ الباطِلَ فِی طَوْرِہٖ ۔۔۔ فَاِنَّہٗ بَعضَ ظُھُورَ اتِہٖ
وَاَعطِ مِنْکَ بِمِقْدَارِہٖ ۔۔۔ حَتّٰی تُوَفِّی حَقَّ اِثْبَاتِہٖ

(ترجمہ)

دیکھ مت انکار کر باطل کے بھی اطوار کا ۔۔۔ کیونکہ وہ بھی تو ظہور حق ہے بعض آثار کا
کر تو ثابت صورتِ باطل کو بھی اثبات سے ۔۔۔ تاکہ پورا کر سکے حق اس کی ہر مقدار کا

اور کہا ہے شیخ مؤید الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تتمہ میں۔

فَالْحَقُّ قَدْ یَظْھَرُ فِی صُوْرَتِہٖ ۔۔۔ یُنْکِرُ الْجَاھِلُ فِی ذَاتِہٖ

(ترجمہ)

حق جو ظاہر ہو کسی صورت میں حق ہے وہ ضرور ۔۔۔ ذات میں کرتا ہے جاہل قصد کیوں انکار کا

اور شک نہیں کہ یہ عمل کرنے سے ایک ذوق حاصل ہوا اور نسبت عزیزوں کی قوت حاصل کرے اُس وقت اس فکر کی بھی نفی کرے اور بے خودی کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو اور اُس کا پیچھا پکڑے۔ اور اگر لا الٰہ الا اللہ دل میں کہے اور اللہ کو مد دے اور دل میں اندر لیجائے تو اس قدر مشغول ہو کہ بہت ملول نہ ہو جائے اور جب دیکھے کہ ملول ہو گا ترک کرے اور یہ جان لے کہ جب تک غلبت اور بے خودی اور عزیزوں کی نسبت ترقی میں ہو، حقائق الاشیاء میں جزئیات کی طرف توجہ کرنا علین ہے ؎

باخودی کفر و بے خودی دین است

(ترجمہ) باخودی ہے کفر یکسر بے خودی ہی دین ہے

بلکہ فکر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں بھی ذکر کرنا چاہیے

اس واسطے کہ اس طائفہ علیہ کا مطلب اس نسبت کی طرف توجہ ہے جو وادیِ حیرت کی سرحد ہے اور انوارِ ذات کی تجلّی کا مقام ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اسماء و صفات کا ذکر اس مرتبے سے نیچے ہے۔

شعر

تو مباش اصلا کمال این است بس　　　　تو در و گم شو وصال این است بس

(ترجمہ)

درمیاں میں تو نہ ہو تو ہے کمال　　　　گم ہو اُس کی ذات میں یہی وصال

اور چاہیے کہ بازار میں اور کھانے پینے میں اور ہر حال میں وہ حقیقتِ جامعہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور اُسے حاضر جانے اور جزوی صورتیں دیکھ کر اپنے حضرت جامعہ سے غافل نہ ہو۔ بلکہ تمام اشیاء کو اُس کے ساتھ قائم جانے اور کوشش کرے کہ اُس کو تمام اچھی اور بُری موجودات میں مشاہدہ کرے۔ یہاں تک کہ ایسے مرتبہ کو پہنچ جائے کہ اپنے آپ کو بھی وہی جانے اور تمام اشیاء کو اپنے جمالِ باکمال کا آئینہ جانے۔ بات کرنے میں بھی اس مشاہدے سے غافل نہ ہو۔ بلکہ دل کی آنکھ کا گوشہ اسی طرف لگا رہے۔ اگرچہ ظاہر میں اور چیزوں کی طرف مشغول ہو۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ شعر

از درون شو آشنا و از برون بیگانہ باش　　　　این چنین زیبا روش کم می بود اندر جہاں

(ترجمہ)

باطن سے آشنا ہو بیگانہ ہو بظاہر　　　　رفتارِ خوب ایسی ہوتی ہے کم جہاں میں

اور جس قدر صحبت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر یہ نسبت زیادہ ہوتی جائیگی۔ اور جب اس مرتبہ کو پہنچے کہ دل اور زبان میں تفرقہ نہ کر سکے اور

خلقت اس کو اللہ کا حجاب نہ ہو اور حق اُس کو خلقت کا حجاب نہ ہو۔
اُس وقت ہو سکتا ہے کہ بہ صفتِ جذبہ اور لوگوں میں تصرّف کرے۔
اور اجازت ارشاد کی خلقت کو اللہ کی طرف بلانے کی اس شخص
کو ہوتی ہے جو اس مرتبہ کو پہنچ جائے۔ اور چاہیے کہ اپنے تئیں
غصہ کرنے سے بچائے۔ غصہ کرنے سے باطن کا ظرف نورِ معنی سے
خالی ہو جاتا ہے۔ اور اگر ناگاہ غصہ آجائے یا کوئی قصور ہو جائے
یا کوئی بڑی کدورت ظاہر ہو اور سررشتۂ نسبت کم ہو جائے یا
ضعیف ہو جائے تو غسل کرے۔ اگر سرد پانی کے برداشت کی طاقت ہو
تو سرد پانی سے صفا حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ گرم پانی سے نہائے اور
پاک کپڑے پہنے اور خالی جگہ میں دو رکعت نماز پڑھے اور کئی بار
بہت زور سے سانس کھینچے اور اپنے تئیں خالی کرے اور پھر اُسی
طریقِ گذشتہ سے متوجہ ہو۔ اور ظاہر میں بھی اپنے حضرتِ جامع سے
عاجزی کرے اور گڑگڑائے اور بالکل اُس کی طرف متوجہ ہو اور جان
لے کہ یہ حقیقتِ جامع مظہر ہے مجموعۂ ذات و صفاتِ حق کا۔ نہ یہ کہ حق
سبحانہٗ نے اس میں حلول کیا ہے بلکہ بمنزلۂ صورت کے ہے۔ آئینہ
میں۔ پس یہ تضرّع درحقیقت حق سبحانہٗ تعالےٰ سے ہے اور بعضے
اس طائفہ علیہ کے بزرگ قدس اللہ اسرارہم بجائے توجہ شیخ
یا اس کی صورت کی نگاہداشت کے کلمۂ طیبہ کی تحریری ہیئت یا
اسم مبارک اللہ پر پوری توجہ سے نظر کرتے ہیں خواہ اُس کو اپنے سے
خارج میں نظرِ حس سے ملاحظہ کرتے ہیں خواہ دل کے گرد اور سینہ میں
خیال سے امر فرمائیں۔ اور یہ فقیر دس برس کا تھا کہ خواجہ ہاشم

افاض اللہ علینا برکاتہٗ جب دہلی میں تشریف لائے تو فقیر کو فرمایا، اللہ اللہ لکھا کرو۔ ایک مدت کے بعد فرمایا کہ دل کے گرداگرد خیال سے لکھا کرو۔ بہت غیبت اور بے خودی ظاہر ہوئی کہ ہرگز کسی خطرہ کو گنجایش نہ تھی اور نہایت ہی اطمینانِ قلب حاصل ہوتا تھا۔ وَمَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے نہیں چکھا وہ کیا جانے) ایک مثل مشہور اور مقرر ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ نسبت کا لفظ اور بار کا لفظ دو کلمے ہیں کہ خواجگان قدس اللہ اسرارہم کی عبارات و اشارات میں بہت واقع ہوئے ہیں۔ کبھی نسبت کہتے ہیں اور اس سے مُراد طریقہ اور کیفیتِ مخصوصہ اور معہودہ[1] اس طائفہ علیہ کی ہوتی ہے۔ اور کبھی اس سے مُراد صفتِ غالب اور ملکہ نفس کشی ہوتی ہے۔ اور کبھی بار کہتے ہیں اور بے نسبتی کی گرانی مُراد ہوتی ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں بارے آورد۔ یا فلاں بار اور بار ساخت۔ جس وقت کسی ایسے سے ملاقات کرتے ہیں جو اُن کے طریقہ سے مناسبت نہ رکھتا ہو۔ اور اُس کی نسبت سے اُن پر اثر ہو۔ اگرچہ وہ شخص اہلِ سلوک یا اہلِ علم و تقویٰ ہو۔ اس واسطے اُن عزیزوں کی نسبت سب نسبتوں سے فوقیت رکھتی ہے۔ اور جو اُن کی نسبت کے سوا نسبت ہو وہ اُن کی بارِ خاطر ہے۔ اور کبھی لفظ بار کہتے ہیں اور اس سے کوئی مرض یا کوئی غرض ارادہ کرتے ہیں۔ جیسے کہیں فلاں بارِ فلاں برداشت، یا فلاں بارِ فلاں انداخت۔ تو اس سے ان کی مُراد رفع مرض یا حوالۂ مرض ہوتی ہے۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ رفع مرض یا حوالۂ مرض اکثر خواجگان کے طریق میں ہے۔ قدس اللہ اسرارہم۔

---

[1] قدیمی

اور خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے۔
کہ جو اکابر خانوادۂ خواجگان قدس اللہ ارواحہم سے منقول ہے کہ
بار میں لوگوں کے آتے ہیں ایک ان دو صورتوں میں سے ہو سکتا ہے۔
ایک یہ کہ جب کسی آشنا یا عزیز کو کوئی مرض یا ملامت یا کسی گناہ میں
مبتلا ہونا عارض ہو جاتا ہے یہ طہارت کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور
تضرع وزاری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کو اس
عارضہ سے پاک کر دے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ جہاں سے
مرض آیا ہے اور اپنی معصیت کو جانتے ہیں اور اس کی جگہ خود کو
اثبات کرتے ہیں اور بعد طہارت و نماز کے تضرع اور زاری کرتے ہیں
اور اللہ سے رجوع کرتے ہیں اور دل کو مشغول رکھتے ہیں اور ہمت
کرتے ہیں کہ اس کو اس مرض یا معصیت سے خلاصی یا نجات ہو۔ اور
فرمایا ہے کہ جب کوئی یار و عزیز بیمار ہو تو ہمت کے ساتھ اس کی مدد
کرنی بہت خوب ہے۔ مدد دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ پوری ہمت
سے مصروف ہو کہ مرض دُور ہو جائے۔ دوسری طرح یہ ہے کہ بیماری
کے وقت تفرقۂ خاطر بہت ہو جاتا ہے اور آسانی سے خاطر جمع نہیں ہوتی
ہے ہمت سے مدد کرتے ہیں کہ وہ تفرقۂ خاطر جاتا رہے یا جو مقصود اصلی
ہے وہ نصب العین ہو جائے۔ طریقۂ توجہ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ
ارواحہم اس توجہ کو تصرف کہتے ہیں کہ دل سے طالب کے دل کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں۔ اور بہ سبب ارتباط کے اتصال اور اتحاد ان کے دل
میں اور اس طالب کے باطن میں واقع ہوتا ہے اور بطور عکس کے ان
کے دل سے طالب کے باطن پر پرتو پڑتا ہے اور یہ ایک ایسی صفت

ہے کہ ان کی استعداد سے ظاہر ہوئی ہے کہ بطریق عکس کے طالب کی استعداد کے آئینہ میں ظاہر ہوئی ہے۔ اگر یہ ارتباط متصل ہو تو جو بطریق عکس کے حاصل ہوا تھا صفت دوام ہو جاتا ہے۔ اور بیان شرائط تصرف کا اور اُس کے دقائق اور اس کی روشنی کی تفصیل مرشد کے کہنے سے متعلق ہے اور منقول ہے حضرت خواجہ محمد یحییٰ صاحبزادے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہما سے کہ اہلِ تصرف بہت طرح کے ہیں۔ بعضے ماذون و مختار ہیں کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے اذن سے اور اپنے اختیار سے جب چاہتے تصرف کرتے ہیں اور اسے مقام فنا اور بے خودی میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور بعضے اس قسم کے ہیں کہ باوجود قوتِ تصرف کے سوائے امر غیبی کے تصرف نہیں کرتے اور جب تک اُدھر سے امر نہ ہو کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور بعضے ایسے ہیں کہ اُن پر کبھی کبھی ایک صفت اور ایک حالت غالب ہو جاتی ہے۔ اس حال کے غلبہ میں مریدوں کے باطن میں تصرف کرتے ہیں اور اپنے حال کا اُن میں اثر پیدا کرتے ہیں۔ تو جو نہ مختار ہو۔ نہ ماذون ہو۔ اور نہ مغلوب اُس سے تصرف کی امید نہ رکھنی چاہیے۔

تمت

حضرت پیر ایرانی شاہ صاحب کی تصنیفات

☆ مینائی مصطفائی

دور اول

☆ مینائی مصطفائی

دور دوم

☆ میکدہ مصطفائی

☆ صبغۃ اللہ

(یعنی رنگ ربانی)

☆ حیات صبغۃ اللہ

حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

حصہ چہارم